ایک تحقیق — سفر شام اور بحیرہ راہب کا قصہ

محمد منیر قمر سیالکوٹی
ترجمان سپریم کورٹ الخبر
سعودی عرب

نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب تجارت پیشہ تھے اور جب وہ اس غرض سے دیگر اعیان قریش کے ساتھ سفر شام کے لئے نکلنے لگے تو نبی ﷺ نے بھی اصرار کیا کہ میں بھی ساتھ چلوں گا۔ لہٰذا ابو طالب نے آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے لیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال دو ماہ اور دس دن تھی۔ (عام مورخین اور سیرت نگاروں نے بارہ سال عمر لکھی ہے جبکہ ماہ و سال اور دن کی تحدید امام ابن الجوزی اور مقریزی نے کی ہے۔ (الرحیق المختوم ص ۶۷، نقلا عن تلقیح فهوم اهل الاثر لابن الجوزی ص ۷، امتاع الاسماع للمقریزی ۱ر ۸ قطر) اور بعض مورخین نے اس واقعہ کے وقت آپ کی عمر نو سال لکھی ہے)

اور جب یہ قافلہ شام کے شہر بصری پہنچا تو انہوں نے ایک اہل کتاب عالم المعروف بحیرہ راہب کی عبادت گاہ کے قریب ڈیرہ لگایا۔ تاریخ و سیرت کی اکثر کتابوں حتی کہ صحاح ستہ کی ایک کتاب ترمذی شریف اور بعض دیگر کتب حدیث (ترمذی شریف کے علاوہ یہ حدیث بزار، رزین اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور بیہقی و ابو نعیم نے دلائل میں اور خرائطی، ابن عساکر اور ابن ابی شیبہ نے بھی اسے بیان کیا ہے، حاشیہ الروض الالف ۲ر ۲۲۴، تحفۃ الاحوذی ۱۰ر ۹۲ فقہ السیرۃ، تعلیق الالبانی ص ۶۸) میں بھی مذکور ہے کہ قریش مکہ کے تجارتی قافلے پہلے بھی وہاں ٹھہرا کرتے تھے مگر وہ بحیرہ راہب کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں آیا تھا اور نہ اس نے کبھی کسی قافلے پر توجہ دی تھی۔ لیکن اس مرتبہ وہ اپنی خلوت گاہ سے نکلا اور نہ صرف اہل قافلہ کے پاس چل کر آیا بلکہ اس نے ان سب کی دعوت بھی کی اور نبی اکرم ﷺ جو ابھی بارہ سال کے کمسن

بچے تھے اس نے آپؐ کا دست مبارک پکڑا اور کہا کہ اس بچے کا ولی امر یا سرپرست کون ہے ؟ ابو طالب نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ راہب نے کہا کہ تمہاری بات صحیح نہیں کیونکہ ہماری کتاب کے مطابق اس کا باپ تو زندہ ہی نہیں ہونا چاہئے تو ابو طالب نے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے پوچھنے پر باپ کے بارے میں بتایا کہ وہ اس وقت فوت ہو گئے تھے جب یہ بچہ ابھی شکم مادر میں تھا۔ تب اس نے آپ ﷺ کی پشت مبارک کھول کر آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان پائی جانے والی مہر نبوت (امام سہیلی نے الروض الالف ۲؍۲۳ ۔ ۲۲ ۔ ۲۲۱) میں "من صفات ختم النبوۃ" کے عنوان کے تحت آٹھ روایات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں مہر نبوت کے بارے میں مذکور ہے جن کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ آپؐ کے شانوں کے مابین پشت مبارک پر کچھ گوشت ابھرا ہوا سا تھا جو سیب' انڈے یا حجلہ عروس کے بڑے بٹن کے مانند تھا اور اس پر کالے بال بھی تھے اور تاریخ حاکم وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس مہر نبوت پر لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ" جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں اور ابن حبان میں اس بات کے مذکور ہونے اور تصحیح ذکر کرنے سے دھوکے میں نہیں آ جانا چاہئے۔ یہ تصحیح ان کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ عارضہ الاحوذی شرح ترمذی لابن العربی ۷ ر ۱۳ ر ۷'۱۰۶ طبع سوریا) بھی انہیں دکھائی اور بتایا کہ یہ بچہ سرور عالم اور رحمتہ للعالمین بننے والا ہے۔ اسے اللہ تعالی نبوت و رسالت کے لئے منتخب کرے گا۔ اہل قافلہ نے پوچھا کہ یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہیں ؟ تو اس نے جواب دیا کہ جب تم اس گھاٹی سے اتر رہے تھے تو کوئی شجر و حجر یا درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ ریز نہ ہوا ہو اور یہ کسی نبی کے سوا ایسا نہیں کرتے اور آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے مابین "مہر نبوت" اس بات کی علامت ہے اور جب یہ بچہ اونٹوں کو باندھ کر اس درخت کی طرف آ رہا تھا تو اسے بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کئے ہوئے تھا اور

جب آپؐ درخت کے قریب پہنچے تو قریش ساری سایہ دار جگہ پر قبضہ کر چکے تھے۔ آپ ﷺ آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ بھی ڈھل کر آپؐ تک جا پہنچا۔ ان تمام علامتوں کے پیش نظر بحیرہ نے ابو طالب سے کہا کہ اسے اپنے ساتھ یہاں سے آگے ہرگز نہ لے جانا ورنہ یہودی آپؐ کو قتل کر دیں گے۔

اسی دوران سات رومیوں کا ایک وفد بھی وہاں آ پہنچا' بحیرہ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس وقت کوئی ایسا راستہ نہیں جس پر نبی موعود کی تلاش میں پہرے نہ بٹھا دیئے گئے ہوں اور ہمیں اس راستے کی طرف بھیجا گیا ہے کہ جب اور جہاں بھی اس کو پائیں وہیں قتل کر دیں۔ بحیرہ راہب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ انجام دینا چاہے کیا کوئی دنیا کی کوئی طاقت اسے روک سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں تو اس نے کہا تب پھر تم اپنے ارادوں سے باز آجاؤ بلکہ میرے ساتھ عہد کرو کہ تم اسے کوئی ایذا نہیں پہنچاؤ گے۔ وہ اس راہب کی بات پر قائل ہو گئے۔ اپنے ارادے بدل دیئے اور واپسی کی بجائے وہ راہب ہی کے ہو کر رہ گئے۔

اب راہب نے پھر ابو طالب سے اصرار کیا کہ اس بچے کو واپس بھیج دو تو ابوطالب نے وہیں سے آپ ﷺ کو واپس کر دیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو بھی آپ ﷺ کے ساتھ بھیجا اور اس راہب نے کچھ کیک و بسکٹ اور زیتون بطور زاد راہ آپؐ کو دے کر بھیجا۔ (تحفتہ الاحوذی شرح ترمذی' علامہ عبدالرحمان مبارکپوری ۱۰ر ۹۰ تا ۹۲ طبع مدنی' بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی للبناء ۲۰ر ۱۹۶' البدایۃ و النھایۃ' ۲ر ۲۸۷۔۲۸۳ ابن ہشام ۱ر ۶۷۔۶۶۔۱۶۵' تاریخ طبری (اردو' طبع نفیس اکیڈمی کراچی ۱ر ۵۸ تا ۶۰)

یہ قصہ عام سیرت نگاروں کے یہاں بڑا معروف ہے مگر اہل تحقیق علماء نے

بحیرہ کے اس واقعہ کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

داستان بحیرہ پر عیسائی مصنّفین کے برگ و بار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بحیرہ راہب کی داستان محقق' اہل علم اور سیرت نگاروں کے نزدیک سندومتنِ ہر دو اعتبار سے غیر معتبر ہے۔ مگر قبول روایت میں تساہل پسند مصنّفین کی وجہ سے عام مسلمانوں میں بڑا معروف و مقبول ہے۔ کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کم سنی میں ہی نبی موعود ہونے کی حیثیت سے پہچانے گئے اسے بچپن میں ہی بادل سایہ کرنے لگے۔ شجروحجر سجدہ ریز ہو گئے وغیرہ۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ زبان زد خاص و عام ہو گیا۔

اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ یہی قصہ عیسائی مصنّفین اور مستشرقین میں بھی بڑا معروف و مقبول ہے۔ ان دشمنان اسلام نے اس واقعہ کو خوب اچھالا بلکہ سر ولیم میور' ڈریپر اور ماگولیوس وغیرہ تو اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مذہب کے حقائق و اسرار (نعوذ باللہ) اسی راہب سے سیکھے ہیں اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے انہی پر آپ ﷺ نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی اور اسلام کے تمام اصول انہی نکتوں کے شروح و حواشی ہیں۔

ڈریپر نے اپنی کتاب "معرکہ علم و مذہب" میں لکھا ہے کہ بحیرہ راہب نے بصری کی خانقاہ میں محمد (ﷺ) کو عیسائی (نسطوری فرقہ کے) عقائد کی تعلیم دی ...... آپ ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا ..... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوری فرقہ کے عیسائیوں کے مذہبی عقائد نے آپؐ پر کہاں تک قابو پا لیا تھا۔

ولیم میور نے بھی نہایت آب و رنگ سے یہ بات ثابت کرنے کی نامسعود

کوشش کی ہے کہ آپؐ کو بت پرستی سے جو نفرت تھی اور ایک جدید مذہب کا جو خاکہ آپؐ نے قائم کیا وہ (نعوذ باللہ) سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب و مشاہدات کے نتائج تھے۔

پروفیسر سیڈیو (تاریخ العرب العام ص ٦٦) اور گستاف لوبون (حضارۃ العرب ص ۱۳۰) نے اپنی اپنی کتاب میں چارہ سازی کی ہے اور زور دیا ہے کہ آپؐ نے اس سفر میں بحیرہ سے (نعوذ باللہ) تورات پڑھی تھی اور فرانسیسی مصنف "کارا" نے تو اس موضوع پر مستقل ایک کتاب لکھ ماری۔ جس کا نام "مولف قرآن" رکھا۔ اور اس نے اپنی تمام سعی نامشکور اس بات پر صرف کر دی کہ پورا قرآن ہی نبی اکرم ﷺ نے بحیرہ سے سیکھا ہے۔ اور کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار ماگولیوس نے اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں کیا ہے۔

قارئین! نقل کفر، کفر نباشد کے پیش نظر ہم نے یہ چند عبارتیں نقل کر دی ہیں تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ ان عیسائی پادریوں اور مصنفین نے کس طرح رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے اور ذرا سی بات کو افسانہ کر دیا ہے۔ اول تو بحیرہ کا واقعہ ہی صحیح نہیں ہے، اگر اسے صحیح مان ہی لیا جائے تو بات صرف اتنی ہے کہ وہ ملا اس نے بعض علامات کو دیکھ کر آپؐ کے نبی ہونے کی بشارت دی اور ازراہ عقیدت سارے قافلے کو کھانا کھلایا مگر ان معاندین اسلام اور دشمنان رسول ﷺ نے اس واقعہ کو یہ برگ و بار بھی لگا دیئے۔

حالانکہ آپ تاریخ و سیرت کی کوئی کتاب اٹھا لیں جس میں یہ واقعہ مذکور ہو۔ اس میں آپ کو کہیں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں نظر آئے گا جس سے یہ شک بھی گذر سکتا ہو کہ بحیرہ نے آپؐ کو کوئی تعلیم دی تھی۔ عیسائی اگر داستان کو صحیح مانتے ہیں تو پھر انہیں اسی طرح ماننی چاہئے جیسی کہ وہ ہے۔ اس میں بحیرہ کی تعلیم کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کسی فکر سلیم کے مالک شخص کے لئے یہ بات قرین قیاس بھی نہیں کہ دس بارہ سال کا بچہ چند گھنٹوں میں تمام اسرار و رموز

مذہب سیکھ جائے۔

اور اگر بالفرض آپ ﷺ بحیرہ کے تعلیم یافتہ ہوتے تو آپ ﷺ نے توحید خالص کی دعوت کیوں دی، نظریہ تثلیث و صلیب کا پرزور رد کیوں کیا اور اگر یہ نظریہ توحید اور رد تثلیث و صلیب اسی راہب نے سکھلایا تھا تو آج عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کر لیتے۔
(رحمتہ للعالمین ا ر ۴۲، سیرت النبی ا ر ۱۷۹، متن و حاشیہ السیرۃ النبویۃ علی میاں ندوی ص ۷۶ حاشیہ)

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ۔

دروغ گورا حافظہ نباشد

داستان بحیرہ کی علمی تحقیق

سفر شام کے دوران بحیرہ راہب کی نبی اکرم ﷺ سے ملاقات جس کی بعض تفصیلات اور ان پر عیسائی برگ و بار کا ذکر ہو چکا ہے۔

یہ داستان جتنی مشہور ہو چکی ہے اتنی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اہل تحقیق علماء نے اسے کئی وجوہ اور دلائل کی روشنی میں غیر معتبر قرار دیا ہے۔

اولا ۔ اس روایت کے جتنے بھی طریق یا اسناد ہیں وہ سب مرسل ہیں۔ یعنی راوی اول اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت خود تو وہاں موجود نہیں تھے اور اس راوی کا نام نہیں لیتے جو شریک واقعہ تھے۔

ثانیا ۔ اس روایت کا سب سے مستند طریق ترمذی شریف والا ہے اور اس میں بھی کئی باتیں قابل توجہ ہیں۔

پہلی بات یہ کہ خود امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ جبکہ حسن کا درجہ صحیح سے کم اور غریب کا درجہ کمتر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس روایت کے راوی اول حضرت ابوموسیٰ اشعری

رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں مورخ اسلام حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ و النہایہ (۲۸۵/۲) اور السیرۃ النبویۃ (۲۷۴/۱ حلبی' بحوالہ فقہ السیرہ ص ۶۹) میں صراحت کی ہے کہ وہ ۷ھ میں فتح خیبر کے سال اسلام لائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقوع کے وقت وہ خود موجود نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے کسی عینی شاہد کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ یہ بات میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

تیسری بات یہ کہ اس سند میں ایک راوی عبدالرحمان بن غزوان ہیں جن کو کئی حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے۔ مگر اکثر اہل فن نے اس کی نسبت عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے جیسا کہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں بھی بیان کر دیا کرتے تھے اور ان میں سے سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے۔ جس میں بحیرہ کا واقعہ مذکور ہے۔

چوتھی بات یہ کہ امام حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق قرار دیا تو علامہ ذہبی نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے تلخیص المستدرک میں لکھا ہے کہ میں اس روایت کے بعض واقعات کو موضوع اور بعض کو من گھڑت اور باطل سمجھتا ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جو کہ بخاری کے شارح ہیں انہوں نے تہذیب التھذیب میں انہی عبدالرحمان کے بارے میں اس قدر صراحت کی ہے کہ وہ کبھی کبھی خطا کر جایا کرتے تھے۔ لہذا ان کی طرف سے اس روایت (یا اس کے بعض واقعات) کی صحت میں شبہ ہو سکتا ہے۔ (سیرت النبی' شبلی ۱/ ۸۱ - ۱۸۰)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور عالم کتاب زاد المعاد (۱/۱۷) میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ترمذی والی روایت کے آخر میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ بحیرہ کے اصرار پر جب ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیجنے لگے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے

ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی (برائے خدمت) بھیج دیا۔ جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے عمر میں اتنے چھوٹے تھے کہ شائد اس واقعہ کے وقت وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں اور اگر پیدا ہو چکے تھے تو کم از کم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھے اور اس بات کی مزید وضاحت علامہ عبدالرحمان مبارکپوری ؒ نے نقل کرتے ہوئے کی ہے۔ علامہ موصوف تحفتہ الاحوذی شرح ترمذی (۱۰ر۹۳) میں لکھتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کی عمر بارہ سال تھی تو اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی عمر دس سال ہو گی۔ کیونکہ وہ آپ سے دو سال کم عمر تھے۔ (یہ اس وقت ہے جب آپ ؐ کی عمر بارہ سال سمجھی جائے اور جب طبری (۱ر۵۹ اردو) وغیرہ کے بیان کے مطابق آپ ﷺ کی عمر نو سال تسلیم کی جائے (جسے علی میاں ندوی نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں زیادہ صحیح قرار دیا ہے) تو اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر صرف سات سال ہو گی اور ان ہر دو شکلوں میں ان کا تجارت کے لئے اہل ہونا قرین قیاس نہیں ہے) اور بلالؓ اتنے کم سن تھے کہ شائد اس واقعہ کے وقت وہ وجود میں بھی نہ آئے ہوں۔ لہٰذا اس روایت میں ابوبکر و بلال رضی اللہ تعالی عنہما کا ذکر غیر محفوظ بلکہ محض وہم ہے۔

اور قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں اور زرقانی نے شرح المواہب میں نقل کیا ہے کہ امام ذہبیؒ نے اسی ذکر ابوبکر و بلال کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور بقول یعمری حضرت بلالؓ اس واقعہ کے کم و بیش تیس سال بعد حضرت ابوبکرؓ تک پہنچے تھے۔

اور قاضی منصور پوری رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا کہ قرآنی آیت "وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا" (البقرہ ۸۹ (ترجمہ:۔ اور پہلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے) سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی نبی موعود کے انتظار میں رہتے تھے اور آپ ﷺ کی بعثت تک انکا یہ عقیدہ رہا کہ آپ ﷺ

کی بعثت سے ہمیں مشرکین پر فتح و نصرت حاصل ہو گی۔

لہذا خود بحیرہ کا یہ کہنا کہ آپؐ کو واپس بھیج دو ورنہ یہودی قتل کر دیں گے بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہودی اگر آپ ﷺ کو اس لڑکپن میں پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق اپنی فتح و نصرت کا دیوتا سمجھ کر نہایت خدمت گزاری کرتے۔ (رحمتہ للعالمین ۱ر ۴۲)

یہ قصہ بقول حافظ ابن کثیرؒ (البدایہ ۲ر ۲۸۵) مرسلات صحابہؓ میں سے ہے اور اس کے علاوہ اس روایت (قصہ) میں تناقضات بھی عجیب اور بکثرت ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ امام زہری رحمہ اللہ نے اس راہب کو یہود تیماء میں سے قرار دیا ہے۔ جب کہ مسعودی نے مروج الذہب میں بنی عبدالقیس کا عیسائی لکھا ہے۔

۲۔ کہیں اس راہب کا نام سرجس ہے' کسی روایت میں جرجس ہے اور کسی میں جرجیس اور کسی میں نام ہی نہیں ہے۔

۳۔ کسی روایت میں مذکور ہے کہ راہب عبادت گاہ سے باہر آگیا اور دعوت دی اور کسی میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے صومعہ میں گئے۔

۴۔ کسی روایت میں مذکور ہے کہ راہب نے ابوطالب کو یہودیوں سے ڈرایا اور کسی میں ہے کہ رومیوں (نصاریٰ) سے ڈرایا۔

۵۔ کہیں سات رومیوں کا ذکر ہے اور کہیں نو یا کم و بیش کا۔

۶۔ کسی مورخ و سیرت نگار نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ تب پیش آیا جب کہ آپ ﷺ ابوطالب کے ساتھ سفر پر تھے اور بعض نے لکھا ہے کہ آپؐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں گئے تھے وغیرہ۔

(قالہ عبدالرحمان الوکیل' حاشیہ الروض الانف ۲ر ۲۲۶۔ ۲۲۷)

انہی امور کے پیش نظر یہ داستان ناقابل اعتبار ہے اور دور حاضر کے علماء و محققین میں سے شیخ محمد غزالی مصری' علامہ قاضی سلیمان منصور پوری اور علامہ

شبلی نعمانی نے ترمذی وغیرہ میں مذکور اس داستان بحیرہ کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔
(فقہ السیرہ ص ۶۹' رحمتہ للعالمین ا ر ۴۲' سیرت النبی شبلی ار ۸۱۔۱۸۰' حافظ ابن حجرؒ نے (ما سوا ذکر ابوبکرؓ و بلالؓ) اس روایت ترمذی کو صحیح قرار دیا ہے (سیرت النبی ار ۱۸۱) امام جزری اور شیخ البانی نے بھی اسی طرح اسے صحیح کہا ہے او بزار کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روایت میں بلالؓ کی بجائے "کسی آدمی" کا ذکر ہے۔ (فقہ السیرہ محمد الغزالی' تعلیق الالبانی ص ۶۸)
جب کہ ابن سعد کی روایت بھی مرسل یا معضل ہے۔

بقیہ سفر شام اور بحیرہ راہب کا قصہ

ازخود کسی کام کو ایجاد کرکے نیکی سمجھ لیا گیا ہو۔ اس کام کو حسین یعنی اچھا کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔
اللہ تعالی نے فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔
ترجمہ :۔ اے ایمان والو ! اللہ کی اور رسول اللہ کی اطاعت کرو نافرمانی کرنے سے تمہارے اعمال برباد کردیئے جائیں گے۔
مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کام کریں جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف کرنے والا دوزخ میں جائے گا۔ دعا ہے اللہ تعالی قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین